NOVEL IN URDU
بات ہے احساس کی
بقلم نبیلہ عزیز

Book : Baat Hai Ehsaas Ki

Author : Nabila Aziz

Genre : Revenge Based, Rude Hero, Forced Marriage Based, Romantic Novel, Sardar Based, Haveli Based

NOVEL IN URDU

بات ہے احساس کی

نبیلہ عزیز

"میں تمہیں طلاق دینا چاہتا ہوں۔ بہت دیر بعد اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں جو کچھ سردار گل ہاشم نے کہا وہ خان زادی شہرے کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

اس کے ہاتھوں میں موجود کتاب لرز گئی۔ "خان زادی ! تم بلا مبالغہ بہت اچھی ہو ایک انسان کے آئیڈیل سے بھی بڑھ کر ہو اور سب سے۔۔" !

" پلیز سردار سائیں اپنے مطلب کی بات کریں بات کی ہیرا پھیری ہمیں اچھی نہیں لگتی۔" اس نے سختی سے کہتے ہوئے گل ہاشم کو روک دیا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو بندھن ہمارے درمیان ہے وہ کسی بھی طرف سے خوشی اور محبت سے نہیں باندھا گیا کیونکہ تم نے اپنے بھائیوں کی عزت غیرت اور انا بلند رکھنے کے لیے ایک ان دیکھے شخص کو قبول کر لیا اور میں نے اپنی بہن کا گھر اجڑنے کے ڈر سے ایک ان چاہی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔۔

لفظ ان چاہی پر اس نے یکدم پلکیں اٹھا کر گل ہاشم کو دیکھا یوں جسے کہہ رہی ہو کہ سردار سائیں یہ تمہاری ہی جرات ہے کہ مجھے ان چاہی کہہ رہے ہو ورنہ میری اہمیت میرے بھائیوں سے پوچھو جو تمہیں اس لفظ کی سزا دینے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

"تم بھی مجبور ہو اور میں بھی مجبوری کے تقاضے پورے کر رہا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں تم اپنی زندگی اپنی مرضی سے جیو اور میں اپنی مرضی سے جیوں۔" گل ہاشم بات تو کر رہا تھا لیکن الجھ بھی رہا تھا کہ خان زادی شہرے کے سامنے اپنا مطلب کیسے واضح کرے کہ طلاق کے باوجود اس کی وہ مدد بھی کر دے۔

"یہ سب تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن مجھے یہ بتائیں کہ اب آپ اس "ان چاہی" سے کیا چاہتے ہیں؟"

"خان زادی تم جانتی ہو کہ میں اگر تمہیں طلاق دوں گا تو مہر بانو کا گھر بھی اجڑ جائے گا۔" وہ مضطرب سے لہجے میں کہتا صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"گویا آپ چاہتے ہیں آپ کی بہن کا اجڑے بھی نا اور آپ کا دل بھی آباد رہے؟" گل ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں سردار سائیں میں انجان نہیں ہوا کے اس دل میں کوئی ہے اگرچہ میں پہلے روز سے جان گئی تھی کیونکہ خان زادی شہرے کو نظر انداز کرنا کسی اندھے کے لیے بھی اتنا آسان نہیں تھا لیکن آپ نے کیا پھر بھی میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی میرے مقابل کوئی اور بھی ہے کیا پوچھ سکتی ہوں) وہ کون ہے جس کے سامنے خان زادی شہرے کی ذات پر توجہ نہ ہوئی۔"

اس کے لیے اور انداز کی تمکنت امنڈ کر اس کے سامنے آئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں میں کسی کو بھی تمہارے مقابل نہیں ٹھہرا سکتا تم بہت اچھی ہو فرق صرف یہ ہے کہ میرا دل اس کی سمت مائل ہے میں اس سے بچپن سے محبت کرتا ہوں میں شادی بھی اس سے کرنا چاہتا تھا لیکن مہربانو کی وجہ سے مجھے اپنا دل مارنا پڑا۔۔" گل ہاشم نے تیزی سے وضاحت دی کیونکہ اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔

"اب آپ اپنا دل زندہ کرنا چاہتے ہیں ؟" اس کے سوال پہ وہ خاموش رہا تو وہ اس کے خاموش اعتراف کو فوراً جان گئی۔

"انجام سوچا ہے آپ نے ؟"

"انجام سے ہی تو ڈر لگتا ہے خان زادی پلیز میری مدد صرف تم کر سکتی ہو کیونکہ تمہیں طلاق دینے کی صورت میں مہربانو کا گھر تباہ ہو جائے گا اور تمہیں طلاق نہ دینے کی صورت میں میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں اپنی محبت حاصل نہیں کر پایا تو بھی کسی سے محبت کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ خان زادی یہ سچ ہے کہ میں تم سے محبت کرنے کی کوشش کر چکا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو سکا میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوا تمہارے ہونے اور نہ ہونے سے میرے جذبات پہ کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اگر میری محبت مجھے نہ ملی تو ہر چیز پر اثر ہو گا بلکہ بہت گہرا ہو گا۔۔" وہ انتہائی شدت سے کہتا اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ چکا تھا۔

"آپ مجھے طلاق دینا چاہتے ہیں میں آپ کو روک نہیں رہی لیکن آپ اتنی وضاحتیں کیوں دے رہے ہیں؟"

اس نے گل ہاشم کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کیونکہ مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"میرا تعاون؟ "

"تم اپنے بھائیوں سے کہہ دینا کہ تم خود میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں میں تمہیں اچھا نہیں لگتا۔۔" (آپ کا دل آباد کرنے کے لیے اپنے دل کی بربادی کیوں کروں؟) اس کے دل سے ایک ہوک اٹھی اور وہ لبوں میں دب گئی۔

"اور کچھ؟" اس نے اچانک ہی اپنے ہتھیار ڈال اور ہار مان لی۔ سردار گل ہاشم نے ٹھٹک کے دیکھا اس کے چہرے کے تمام تاثرات مبہم ہو چکے تھے جن سے وہ کوئی بھی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا تھا۔

"نہیں بس مجھے تمہاری اسی مدد کی ضرورت ہے اور میں اپنے گزشتہ تمام رویوں کی معافی مانگتا ہوں اس کے علاوہ تم اس حویلی سے جو چاہے لے کر جا سکتی ہو۔" (سردار سائیں اس حویلی سے تمہار دل تو میں نا لے سکی اور بھلا کیا لوں گی؟) دکھ کی لہر اس کے دل و دماغ میں اٹھ رہی تھی لیکن وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اور انتہائی آہستگی سے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے۔

"کل آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا میں آپ کو اپنی قید سے آزاد کر دوں گی۔" وہ کہہ کر کمرے سے چلی گئی اور سردار گل ہاشم سرشار ہوا تھا اب اس کی محبت اس سے دور نہیں تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

"ارے میرے جگر کا ٹکڑا آیا ہے مہربانو میرا جگر گوشہ آیا ہے۔"

خان زادی شہرے اپنی حویلی میں داخل ہوئی تو خان زادہ افراسیاب اسے دیکھ کر دور سے ہی بازو وا کیے قریب آئے تھے شہرے ان کے سینے سے لگ گئی۔ دو آنسو بہہ کر ان کی چادر میں گم ہو گئے۔

"لالا سائیں اتنے دن ہو گئے آپ میری طرف نہیں آئے میں انتظار کرتی رہی" وہ ان سے الگ ہوتے ہوئے بولی اتنے میں بھرجائی مہربانو بھی قریب آ چکی تھیں۔

"ارے شہرے آئی ہے۔" وہ بھی اسے دیکھ کر چہک اٹھی تھیں ان سے گلے مل کر وہ ان کا حال احوال پوچھنے لگی لیکن بھرجائی مہربانو کی نظریں گل ہاشم کو تلاش رہی ہیں۔

"ہاشم نہیں آیا؟" انہوں نے پوچھا۔ "آئے تھے مجھے گیٹ تک چھوڑ کے چلے گئے شاید کسی کام کی جلدی تھی۔" وہ نظریں چرا کر کہتی اندر آ گئی سامنے ہی بڑی خان زادی اپنے تخت پہ براجمان تھیں۔

"سلام اماں سائیں۔" قریب آ کر انہیں متوجہ کیا تو اچانک اسے سامنے دیکھ کر واری صدقے ہونے لگیں اور وہ ان سے مل کر سیدھی اپنے کمرے میں آئی۔ دروازہ بند کر کے بیڈ پہ گرتے ہی اس کے ضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے وہ کل سے نڈھال ہو چکی تھی۔ آنسوؤں کا سیلاب اس کی پوری ہستی کو ڈبو رہا تھا۔ "کتنی آسانی سے اس نے کہہ دیا کہ میں اس کے دل پہ بوجھ ہوں وہ مجھ سے محبت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا میں ان چاہی ہوں، میں اس کی حویلی سے کچھ بھی لے کر جا سکتی ہوں میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی اس لیے کہ میں اسے اچھی نہیں لگی میرے لیے اس کے دل میں کوئی بھی جذبہ بے دار نہیں ہو سکا میرے ہونے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ مجبوری کے تقاضے پورے کر رہا تھا اسے ہر چیز کی فکر تھی اسے مہربانو کا گھر اجڑنے کا خدشہ تھا اسے اپنی زندگی تباہ ہونے کی فکر تھی اسے میرے دل کی بربادی کا خیال کیوں نہیں آیا؟ اسے میری ہنستی خاک میں ملانے سے خوف کیوں نہیں آیا

؟اسے میرا خیال بھی کرنا چاہیے تھا۔ اسے کسی اور کے دل کا خیال تھا۔ اسے اپنے دل کا خیال تھا۔ اسے میرے دل کا خیال کیوں نہیں آیا۔"

وہ تکیہ چہرے پہ رکھے تڑپ تڑپ کے روتی اپنی ہچکیوں کو دبا رہی تھی کیونکہ اگر اس کی ان چیخوں کی آوازیں اس کے بھائیوں تک پہنچ جائیں تو کھڑے کھڑے بھرجائی مہربانو اور سردار گل ہاشم کی سزا کے آرڈر جاری ہو جاتے اور وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے سب خود ہی چپ چاپ سہنا تھا اپنے دل سے جبر کرنا تھا اور سردار گل ہاشم کے ساتھ تعاون کرنا تھا اس کے "دل کی دنیا" بچانی تھی۔ چاہے اس کوشش میں اپنے دل کی دنیا ویران ہو جاتی۔ خان زادی شہرے پانچ بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن تھی ابھی وہ ایک سال کی تھی جب باپ کے سائے سے محروم ہو گئی تھی لیکن اس کے بھائیوں نے اسے کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ وہ اپنی ماں سے بھی زیادہ اپنے بھائیوں کے پاس خوش رہتی تھی انہوں نے اپنے اصولوں اور قبیلے سے بغاوت کر کے اسے پڑھنے کی اجازت دے دی اور اس نے شہر جانے سے پہلے اپنے بھائیوں سے عہد کیا تھا کہ کبھی ان کی عزت پہ حرف نہیں آنے دے گی۔ ہمیشہ ان کا سر فخر سے بلند رکھے گی اور پھر ایسا ہی ہوا۔ انہیں بھی اس کی طرف سے شکایت نہیں ملی تھی۔ وہ اپنی بہن کو بیاہنے کے لیے بہت اونچے اونچے خواب دیکھتے تھے مگر دو سال پہلے قبیلے میں ہونے والے ایک جھگڑے نے ان کے خواب چکنا چور کر ڈالے تھے۔

خان زادہ افراسیاب اور خان زادہ وہاب سے تین آدمی قتل ہو گئے معاملہ جدی پشتی دشمنی کا چلا آ رہا تھا جب ہی دشمنوں کی نیت میں فتور آ گیا اور اس نیت کی خبر خان -زادہ افراسیاب کو پہنچ گئی وہ مر بھی جاتے تو اپنی بہن کو دشمنوں کے ہاتھوں میں نہیں سونپ سکتے تھے لیکن پنچایت کے فیصلے کے مطابق وہ خون بہا

دینے سے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے۔۔اس لئے دن رات سوچنے کے بعد ایک خیال آیا اور وہ پر سکون ہو گئے۔۔

"مہر بانو اگر چھوٹی خان زادی کو تمہاری بھر جائی بنا دیں تو کیسا رہے گا؟" انہوں کے صوفے پر بازو پھیلاتے ہوئے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا مہر بانو کا ہاتھ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے تھم گیا۔

"یہ کیا کہ رہے ہیں آپ؟؟"

"ہم جو کہہ رہے ہیں تم سن چکی ہو۔"

"لیکن خان سائیں یہ کیسے ہو گا؟؟؟ "

"یہ ایسے ہی ہو گا جیسے ہمارااور تمہارا نکاح ہوا تھا فرق صرف اتنا ہو گا کہ ہم تمہیں دھوم دھام سے بیاہ کر لائے تھے اور تمہارا بھائی خاموشی سے چھوٹی خان زادی کو بیاہنے آئے گا۔"

"خان سائیں پہلے گل ہاشم سے بات تو "

بس مہر بانو بس ہماری بہن کی شان میں گستاخی مت کرو کیا تمہارے بھائی کے لیے یہ خوش نصیبی نہیں ہو گی کہ خان زادی شہرے اس کی زوجیت میں جائے گی۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بیوی کو مزید بولے سے ٹوک دیا تھا۔

"جی خان سائیں یہ تو آپ بجا کہہ رہے ہیں لیکن میرا کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے بات ہو جاتی پھر"

دیکھو نیک بخت پرسوں پنچایت کا فیصلہ ہو گا ہمارے پاس باتیں کرنے کا وقت ہر گز نہیں ہمیں صرف عمل کرنے کی ضرورت ہے صبح تم حویلی جاؤاور رات کو اپنے بھائی کو ساتھ لے آنا نکاح کے ساتھ ہی رخصتی کر دیں گے اگر خون بہا کے لیے خان زادی کے رشتے کی بات ہوئی تو ہم کہہ دیں گے کہ خان زادی کا نکاح سردار گل ہاشم سے تب ہی ہو گیا تھا جب ہماری شادی مہربانو سے ہوئی تھی۔" انھوں نے سارا بوجھ مہربانو کے کندھوں پہ ڈال دیا اور مہربانو اندر ہی اندر لرز گئیں انہیں اندازہ تھا کہ گل ہاشم کا جھکاؤ بڑے چچا کی بیٹی ارجمند کی طرف ہے اس لیے وہ ہچکچا رہی تھیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا رات بھر وہ سوچتی رہیں اور صبح جب حویلی میں داخل ہوئیں تو گل ہاشم نے بہن کو دیکھ کر خوشی کا نعرہ بلند کیا تھا۔

"ہماری مہربانو آپا آئی ہیں۔" وہ خوشی خوشی قریب آیا تھا۔ لیکن جب تھوڑی دیر بعد مہربانو نے اپنا مدعا تو گل ہاشم کی ساری خوشی ہوا ہو گئی وہ یکدم ہی دور ہو گیا تھا

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔؟"

"سچ کہہ رہی ہوں ہاشم تم نے اس فیصلے سے انکار کر دیا تو خان سائیں مجھے طلاق دے دیں گے میرا گھر اجڑ جائے گا میری زندگی برباد ہو جائے گی میرے بچے مجھ سے چھن جائیں گے اللہ کے لیے ہاشم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" مہربانو اس وقت حقیقتاً سخت بے بسی کے عالم میں تھیں۔ وہ دو ہی بھائی بہن تھے اور ابھی بہت چھوٹے تھے جب ماں باپ کی جدائی سہنا پڑی تھی، لیکن ان کے دادا نے انہیں بہت محبت اور لاڈ پیار سے پالا پوسا تھا بہت توجہ سے ان کی پرورش کی تھی مہربانو بڑی تھی اس لیے ان کی شادی کے فرض سے جلد ہی سبکدوش ہو گئے لیکن اب وہ گل ہاشم کی دلہن لانے کے خواب سجا رہی تھیں اور عنقریب وہ کوئی رسم کرنا چاہتے تھے لیکن آج مہربانو کی التجا سن کر پریشان ہوا تھے اور انہیں

مہربانو کی خاطر گل ہاشم کے سامنے بولنا پڑا تھا۔ " ہاشم ! اس وقت تمہاری بہن تمہارے گھر سوالی بن کے آئی ہے اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے تمہارا انکار اس کی زندگی میں طوفان لا سکتا ہے۔۔ "

" لیکن دادا جان میرا اقرار میری زندگی میں طوفان لے آئے گا میں اپنے دل کا کیا کروں گا ؟ "

"بیٹا تم اپنے دل سے تو لڑ سکتے ہو لیکن بہن کے مقدر سے نہیں لڑ سکتے اگر اسے طلاق ہو گئی تو لوگوں کی زبانوں کو کیسے روکو گے ؟ " دادا جان اسے حمل اور سلیقے سے سمجھا رہے تھے۔

"اگر خان زادہ افراسیاب بہن کے مقدر سے لڑ سکتے ہیں تو میں بھی لڑ سکتا ہوں میری بہن بھی مجھ پر بوجھ نہیں ہو گی۔ " گل ہاشم اپنے دل کی دنیا بچانے کے لیے کوئی بھی جنگ لڑنے کو تیار تھا۔

" تمہاری بہن تم پہ کبھی بوجھ نہیں بن سکتی لیکن تمہاری بہن کی ممتا تم پر ضرور بوجھ بن جانے کی اپنے بچوں سے بچھڑ کر وہ کیسے سکھ کی نیند سو سکے گی ؟ "

انہوں نے اسے ہر اونچ نیچ سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا اور گل ہاشم مجبوری کے اس جال میں جکڑتے ہوئے پھڑ پھڑانے لگا تھا، لیکن وہ اس کے سوا کچھ کر بھی تو نہیں سکتا تھا کیونکہ معاملہ نازک رشتوں کا تھا۔ اسے ہتھیار ڈالنا پڑا۔ دل کو کچلنا پڑا اپنے خواب اپنی خواہش اپنی محبت کو دفن کرنا پڑا تھا اور کافی حد تک سختی بھی زبان کا حصہ بن گئی تھی جسے اس نے پہلی رات ہی خان زادی شہرے پہ آزمایا تھا۔ نکاح کے بول پڑھنے کے ساتھ ہی نجانے کون سا الہامی جذبہ تھا جو خان زادی شہرے کے دل پہ نازل ہوا اور وہ سردار گل ہاشم کی طرف مائل ہوتی گئی اس کا دل اسے پاگل کیے دے رہا تھا وہ سردار گل ہاشم کی سمت

دیکھے بنا چپ چاپ بیٹھی رہی تھوڑی دیر بعد چند لوگوں کی خفیہ موجودگی میں اس کی رخصتی ہوئی لیکن گل ہاشم کے کمرے میں اگر اس کے دل کی دھڑکنیں ٹھر گئیں کیونکہ اس کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔

" تمہارے بھائی درندگی کی حد پار کر چکے ہیں پہلے تو قتل کرتے ہیں پھر دوسروں کی زندگیاں برباد کرتے ہیں۔" وہ یکدم پھٹ پڑا۔۔۔

"انہوں نے جان بوجھ کر کسی کو قتل نہیں کیا محض اپنی جان بچانے کے لیے فائرنگ کرنا پڑی جس کی زد میں وہ لوگ بھی آ گئے ان کا ارادہ قتل کرنے کا ہرگز نہیں تھا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑی تھی۔

"ہونہہ ! وہ قتل کریں یا نہ کریں لیکن انسان کو زندہ ضرور دفن کر دیتے ہیں۔" وہ زہر اگل رہا تھا اور خان زادی شہرے حیرت سے آنکھیں پھیلائے اپنے شوہر کے دل میں پلنے والی اپنے بھائیوں کے لیے نفرت دیکھ رہی تھی۔ "کسے زندہ دفن کیا ہے انہوں نے ؟"

"شاید تمہیں" وہ چبا کر کہتا اپنے کرتے کے بٹن کھولتا پاس سے گزر کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا وہ دلہن بنی کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔

ایک تو سردار گل ہاشم کے خاندان والوں کو اس اچانک افتاد کی خبر نہیں تھی اور دوسرے اس کے چچا سائیں کی فیملی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی دلہن دیکھنے بھی نہیں آئی تھی۔ آخر انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے امیدیں باندھ رکھی تھیں جو آج ٹوٹ گئی تھیں اسی لیے نکاح میں شرکت کے لیے دادا جان کے ساتھ چچا سائیں ہی گئے تھے۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے واپس آیا تو خان زادی شہرے کو ہنوز ایک ہی جگہ کھڑے دیکھ کر ٹھر گیا اور اس کے سامنے آر کا تھا۔

"یہ بات بھول جاؤ کہ جو راج تم نے اپنے بھائیوں کے دلوں پہ کیا ہے وہی راج تم سردار گل ہاشم کے دل پہ کرو گی تمہارا حسن تمہاری تعلیم تمہارا خاندان تمہاری جائیداد میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی اس لیے کبھی بھی مجھ سے کسی قسم کی توقع مت رکھنا۔ ڈریسنگ روم وہ ہے تم کپڑے بدل سکتی ہو۔" وہ ڈریسنگ روم کی سمت اشارہ کر کے بیڈ کی سمت بڑھ گیا اور وہ حیرت سے گنگ کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی انسان کے حالات اسے عرش سے لا کر فرش پر پٹخ دیتے ہیں ایسا ہی کچھ خان زادی شہرے کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی سردار گل ہاشم کو بنا مانگے ملی تھی جب ہی قدر کھو بیٹھی تھی ورنہ خان زادوں کا اکلوتا داماد بننا قبیلے کے کئی لوگوں کا خواب تھا۔ وہ لائٹ بجھا کر زیرو پاور بلب آن کر چکا تھا۔ خان زادی شہرے بمشکل قدم اٹھائی ڈریسنگ روم تک گئی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿

اور آج دو سال بعد وہ اسے طلاق دینے کا فیصلہ سنا کر خان زادوں کی حویلی واپس چھوڑ گیا تھا ان دو سالوں میں کبھی بھی خان زادی شہرے نے اسے اپنے حقوق کے کٹھرے میں کھڑا نہیں کیا تھا۔ کبھی اس کی ستم گری کی نشاندہی نہیں کی تھی کبھی اس کی بے رخی پہ واویلا نہیں کیا تھا ہمیشہ چپ چاپ اس کا ہر رویہ برداشت کیا تھا شاید اس لیے کہ اپنے بھائیوں کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی شاید اس لیے کہ وہ مہربانو کی زندگی عذاب نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اسے پتا تھا اگر خان زادہ افراسیاب کو سردار گل ہاشم کے راویے کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ بھر جائی مہربانو کا جینا دو بھر کر دیں گے، یا پھر وہ اس لیے چپ

سادھ گئی تھی کہ اسے سردار ہاشم سے محبت ہو چکی تھی لیکن اس کے بعد بھی اپنا نہیں سکی تھی وہ۔۔۔

اسے جانے کا حکم سنا چکا تھا اسے "ان چاہتی" قرار دے چکا تھا اور وہ اس بات پہ روئے جا رہی تھی کہ دو سال کی رفاقت اور ریاضت کے بعد بھی وہ "ان چاہی" رہی تھی۔ یہی دکھ اسے ہچکیوں سے رلا رہا تھا یہی انسان تکلیف دے رہا تھا کہ وہ کتنی آسانی سے اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا اور اس کی منجمد حالت پر غور بھی نہیں کر سکا تھا۔۔

"خان زادی! میرے کپڑے کہاں ہیں۔" وہ وارڈروب کھولے کھڑا تھا یکدم چیخ اٹھا لیکن پھر اتنی ہی تیزی سے لب بھینچ گئے تھے۔ خان زادی کمرے میں کیا اس حویلی میں بھی نہیں تھی۔

"کیا بات ہے سائیں؟" ملازمہ اس کی دھاڑ سن کے بھاگی بھاگی آئی تھی۔

"نہیں کچھ نہیں.." وہ آہستگی سے کہتا وارڈروب چھوڑ کے پیچھے ہٹ گیا۔ انداز میں اچانک شکستگی اتر آئی تھی۔ وہ متواتر دو روز سے اسی طرح بے ساختگی میں اسے ہزاروں بار پکار چکا تھا کبھی چائے کے لیے کبھی دودھ کے لیے کبھی تولیے کے لیے اور کبھی کپڑوں کے لیے لیکن اس کی ہر پکار پہ فوراً بھاگ کر آنے والی دو روز سے ایک بھی پکار پہ نہیں آئی تھی۔ وہ ہمیشہ سے محض اسے نیچا دکھانے کے لیے اسے اپنی کنیز ثابت کرنے کے لیے اپنے کام اسی سے کرواتا تھا۔ چاہے صرف واسکٹ ہینگر میں لٹکانی ہوتی ساری ذمہ داری اسی پر تھی اور وہ اتنی انا اتنا غرور رکھنے والی اتنی پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اس کے چھوٹے چھوٹے تمام کام کرنے کے لیے دوڑی جاتی تھی جس پہ گل ہاشم کو حیرت تو ہوتی لیکن اظہار نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کی کنیز بننے میں کوئی عار نہیں سمجھتی تھی کیونکہ وہ اس کا شوہر تھا اور وہ اس کے حقوق جانتی

تھی۔ "تم تیار نہیں ہوئے ابھی تک ؟" دادا جان کمرے میں داخل ہوئے تو اسے یونہی بوجھل انداز میں بیٹھے دیکھ کر خفگی سے بولے۔۔

" میں نہیں جا رہا آپ چچا سائیں سے کہہ دیجیے گا مجھے ضروری کام سے کہیں جانا پڑ گیا تھا۔" وہ اس وقت چچا سائیں کی حویلی ان کے چھوٹے بیٹے سے ملنے جا رہا تھا جو کل ہی امریکا سے تعلیم مکمل کر کے لوٹا تھا لیکن ان سے ملنے سے زیادہ اسے ارجمند کو دیکھنے کی خوشی ہو رہی تھی لیکن اب وہ خوشی نجانے اس بوجھل پن میں کہیں گم ہو گئی تھی۔ "صاحبزادے میں جا کر جھوٹ بولوں گا کیا؟ اٹھو ابھی تھوڑی دیر تک آجاتے ہیں، تمہاری چچی بھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔" دادا جان نے اسے زبردستی ساتھ ملنے کے لیے تیار تو کر لیا لیکن اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہو سکتے تھے اپنے کزن سے مل کر سب کے درمیان بیٹھ کر بھی اس پہ چھائی پس مردگی دور نہیں ہوئی۔

"کیا بات ہے آپ کچھ پریشان لگتے ہیں؟" ارجمند اسے باہر نکلتے دیکھ کر پیچھے چلی آئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ سر جھکائے کھڑا پاؤں کے قریب رکھے گملے کو دیکھنے لگا جو ویرانی کے عروج پہ تھا اس کی آغوش خشک پتوں سے بھری ہوئی تھی اور ان پتوں میں ہوا کی سرسراہٹ سے اضطراب بر پا ہو رہا تھا بالکل ایسا اضطراب جیسا سردار گل ہاشم کی ذات میں پھیل رہا تھا جسے وہ خود سمجھنے سے قاصر تھا۔

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں شاید"

کہا نا کوئی بات نہیں۔

" وہ یکدم غصے سے چیخ گیا اور ارجمند کی سمت پلٹا اسے اپنے لہجے اور انداز کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"آئی ایم سوری خان زادی !آئی ایم رئیلی سوری یونہی غصے میں۔۔"

" پلیز بس کریں اس سے زیادہ پریشانی کا ثبوت اور کیا ہو گا کہ آپ مجھے خان زادی کہہ رہے ہیں کیا خان زادی اتنی ہی سر پر سوار ہو گئی ہے ؟ " ارجمند کا کاٹ دار لہجہ سردار گل ہاشم کو اور بھی بے بس کر گیا۔ اپنی بے ساختگی اور بے خودی میں وہ اسے خان زادی کے نام سے مخاطب کر بیٹھا تھا۔

" پلیز ارجمند آئی ایم سوری میری طبیعت اس وقت بالکل بھی ٹھیک نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں کیا کر رہا ہوں مجھے خود علم نہیں تم مائنڈ مت کرو اور میرا خیال ہے مجھے اس وقت گھر چلنا چاہیے۔" وہ چینی سے کنپٹی مسلتا ہوا کہہ رہا تھا تھوڑی دیر بعد وہاں سے لوٹ آیا لیکن حویلی میں جگہ جگہ اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ مزید پاگل ہونے لگا سگریٹ پھونکتے ہوئے اس نے سگریٹوں کے ڈھیر لگا دیے تھے لیکن خان زادی شہرے کی کمی کو بھول نہیں پا رہا تھا اسے بھولنے کی کوشش میں نڈھال ہونے لگا تھا۔ دماغ سوچوں کی یلغار سے شل ہو گیا۔

دادا جان بارہا خان زادی شہرے کی غیر موجودگی کے بارے میں استفسار کر چکے تھے لیکن گل ہاشم خان ان کے سامنے اصل بات بتا نہیں پا رہا تھا کہ خان زادی شہرے ہمیشہ کے لیے جا چکی ہے اور وہ اسے طلاق دینے کا سوچ رہا ہے اگر وہ اس بات سے باخبر ہو جاتے تو یقینا " گل ہاشم کو سخت ست سننا پڑتی اسی لیے وہ انتظار کر رہا تھا کہ شاید خان زادی شہرے کی طرف سے کوئی پیش رفت ہو۔ وہ تو یہاں سے جا کر بالکل ہی لا تعلق ہو گئی تھی۔ گل ہاشم سے آئندہ کا لائحہ عمل بھی دریافت نہیں کیا تھا۔

NOVEL IN URDU

سائیں بی بی کا فون ہے۔" وہ ابھی سوچوں میں گم بیٹھا تھا جب ملازمہ کارڈلیس ہاتھ میں لیے قریب آگئی اور گل ہاشم نے بے تابی سے ریسیور تھاما

"السلام علیکم" !

"وعلیکم السلام ہاشم کہاں ہوتے ہو؟" مہربانو آپا نے چھوٹتے ہی استفسار کیا۔

"گھر پر ہی ہوتا ہوں آپ سنائیں۔ "

"میں کیا سناؤں شہرے اتنے دنوں سے آئی ہوئی ہے تم نہ ملنے آئے ہو نہ ہی فون کیا کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا تم دونوں کا؟"

ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی اس وقت وہ کہاں ہے؟" بے ساختہ وہ پوچھ بیٹھا اور مہربانو آپا نے شہرے کو بلا کر فون اسے تھما دیا۔

"کیسی ہو؟" دوسری طرف اس کی مدھم ہیلو کی آواز سن کر گل ہاشم کے دل میں عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ الجھ سا گیا۔۔۔ "ٹھیک ہوں۔" مختصراً کہتے ہوئے وہ خاموش ہو گئی اور گل ہاشم اس بولتی خاموشی سے دل ہی دل میں جنگ کرنے پر مجبور ہو گیا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"سوری فار واٹ؟" وہ ناسمجھی سے پوچھ رہا تھا۔ "

میں ابھی تک لالا سائیں سے بات نہیں کر سکی ان فیکٹ آج کل گھر میں ارباب لالا کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں اگر میں نے اپنا مسئلہ کہہ دیا تو سب ڈسٹرب ہو جائیں گے اس لیے میں نے سوچا ہے اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ارباب لالا کی شادی کے بعد بات کر لوں گی۔" وہ انتہائی مدھم لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"ہوں ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"میں فون بند کروں ؟" وہ یقینا بات کرنے سے کترا رہی تھی۔

ایز یور وش " وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا اور خان زادی شہرے نے اللہ حافظ کہہ کر فوراً رابطہ منقطع کر ڈالا تھا وہ ریسیور کو گھورتا رہ گیا۔

"کیا ہے میں خان زادی کو آزاد کرتے کرتے خود عجیب سی قید کا شکار ہوتا جا رہا ہوں اسے بھولنے کی کوشش میں اس کی یاد کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے وہ جو پہلو میں رہ کر مجھے دکھائی نہیں دیتی تھی اب متواتر پہلو کے ہر ایک گوشے میں دھڑکتی ہوئی سنائی دیتی ہے اسے اپنی کنیز بناتے بناتے اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا کر اس کا عادی ہو چکا ہوں میں ادھورا ہوں اس کے بغیر۔۔" وہ سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگا تھا لیکن اپنے دل میں بے دار ہونے والے اس بے نام جذبے اور اس جان لیوا احساس سے دامن نہیں بچا پا رہا تھا اس کی سوچ اس کے خواب جیسے اسی سے وابستہ ہو کر رہ گئے تھے۔۔ وہ اس کے احساسات کا مرکز بن گئی تھی۔۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

"خان سائیں نے آپ کو حویلی بلوایا ہے پانچ بجے "

جیپ سے اتر کر قریب آنے والے نے اسے اطلاع دی تو لمحہ بھر کے لیے سردار گل ہاشم ٹھٹک گیا۔

"خیریت تو ہے؟"

"سائیں یہ تو آپ کو آکر ہی پتا چلے گا ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟" ملازم مؤدب انداز سے کھڑا پیغام پہنچا رہا تھا۔ "بیٹھو جائے پانی پی کر جانا" اس نے ملازم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"گستاخی معاف سائیں! مجھے اس وقت کہیں اور بھی کام سے جانا ہے آپ مجھے اجازت دیں۔"

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔ گل ہاشم نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی اور اپنی مضبوط کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی ابھی دن کے بارہ بجے تھے اور ابھی پورے پانچ گھنٹے انتظار کا سامنا کرنا تھا۔ کہیں

"اس نے پہلے ہی بات تو نہیں کر ڈالی؟" اسے شہرے کی طرف سے خدشہ ہوا۔ اور متواتر پانچ گھنٹے وہ عجیب عجیب خدشوں اور وہموں کا شکار رہا تھا بڑی مشکلوں سے شام کے پانچ بجے تھے اور وہ حویلی پہنچا تھا۔ وہاں اس کا استقبال کافی خوش دلی سے کیا گیا۔

"کیا حال چال ہیں سردار سائیں بڑے مصروف ہوتے ہو؟" خان زادہ افراسیاب اپنے سالے اور بہنوئی سے کافی اپنائیت سے مخاطب تھے۔

"آپ جانتے ہیں کہ خاندان اور زمینوں کے بکھیڑوں میں پڑ کے انسان فارغ کب رہ سکتا ہے۔" وہ بے حد سنجیدگی اور متانت سے جواب دے رہا تھا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مرد کی مردانگی اس کے کام اس کی محنت سے ظاہر ہوتی ہے لیکن ایسی بھی کیا مصروفیات کہ اپنی گھر والی کی خیر خبر بھی معلوم نہ کی۔۔" گل ہاشم ان کی بات پر چونکا پھر سنبھل گیا۔

"گھر والی اپنے میکے میں ہے اس لیے زیادہ پریشانی والی بات نہیں وہ اپنے بھائیوں کے گھر میں ہے۔ "

"سردار سائیں ! پھر تو ہر گھر والی اپنے میکے میں ہی اچھی لگتی ہو گی ، آخر اس کے بھائیوں کا گھر جو ہوتا ہے۔۔" ان کا جواب جو معنی رکھتا تھا گل ہاشم اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔۔

"بہر حال ہم نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ ہم ارباب کی شادی طے کر چکے ہیں ابھی تاریخ طے کرنی ہے تم ہمارے اکلوتے داماد ہو اس لیے تم سے صلاح مشورہ کرنا تھا سوچ رہے ہیں کل تاریخ بھی طے ہو جائے۔۔" انہوں نے بات شروع کی تو گل ہاشم بھی بغور سنتا رہا باقی چار بھائی بھی وہیں موجود تھے۔

"سردار سائیں کو بڑی بیگم نے بلایا ہے خان سائیں۔" ملازمہ اندر داخل ہوئی تب گل ہاشم کو مردانے سے نکل کر حویلی کے اندر آنا پڑا۔۔

"السلام اماں سائیں۔" خان زادی شہرے کی ماں کو جھک کر سلام کیا تو انہوں نے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا۔

"جیتے رہو آباد رہو۔" وہ داماد کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ کافی دیر حال احوال پوچھتی رہیں اور وہ نجانے کیوں پہلو بدلتا لاشعوری طور پر خان زادی شہرے کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

"وہ اوپر ہے اپنے کمرے میں ہے، اسے تمہاری آمد کا علم نہیں شاید۔ " مہربانو آپا نے آہستگی سے اسے اشارہ کیا وہ ٹھٹک گیا۔ دل بے اختیار مچلا کہ اس سے ملنے ، اسے دیکھنے اس کے کمرے میں جانا چاہئے اور

جہاں انسان کا دل مچل جائے وہاں سنبھل جانا دشوار ہی ہوتا ہے وہ بھی اپنے قدموں کو نہیں روک سکا تھا۔ ان دو سالوں میں پہلی مرتبہ وہ اتنے دن اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی اور ان دو سالوں میں پہلی مرتبہ وہ اس کے کمرے تک جارہا تھا پہلے کبھی ایسی نوبت نہیں آئی تھی۔ دستک کے جواب میں خاموشی ہی ملی تو دروازہ دھکیلنا پڑا جو کھلتا چلا گیا۔ اندر قدم رکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ کسی ریاست کی ملکہ کی خواب گاہ میں آگیا ہو جہاں ہر چیز خوابیدہ لگ رہی تھی جہاں ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے بھی سوچنا پڑ رہا تھا۔ سب کچھ ایک شان تمکنت سے سجا ہوا تھا لیکن وہ خود نجانے کہاں تھی وہ مضبوط قدم اٹھاتا اس کے بیڈ تک آگیا۔ باتھ روم کے دھندلے شیشوں اور دھندلے پردوں سے مدھم روشنی پھوٹ رہی تھی۔ جس سے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ باتھ روم میں ہی ہے تقریباً دس منٹ کے انتظار کے بعد وہ بالوں پہ تولیہ لپیٹے باہر نکلی تھی۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکی لیکن گل ہاشم اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا شاید وہ اسے اس "نظر" سے پہلی بار دیکھ رہا تھا وہ اپنی نگاہوں کا حصار اس کے گرد سے ہٹا نہیں سکا تھا اور خان زادی شہرے پر تپش نظروں کی آنچ محسوس کر کے یکدم پلٹی تھی۔ گل ہاشم کو سامنے دیکھ کر بری طرح سٹپٹا گئی۔

"آپ یہاں میرے بیڈ روم؟"

"کیوں میں تمہارے بیڈ روم میں نہیں آسکتا؟" وہ اس کے قریب آگیا جبکہ شہرے بوکھلا گئی تھی وہ اس وقت جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس تھی۔

"لیکن اس طرح اجازت کے بغیر..؟"

وہ نا محسوس انداز سے بالوں پر لپٹا تولیہ اپنے کندھوں پہ کھینچ چکی تھی جس کے نتیجے میں انتہائی گھنے سیاہ بال اس کے گرد گھٹاؤں کی مانند بکھر کر اس کی پوری کمر ڈھانپ چکے تھے

"اجازت لے کر اجنبی کمروں میں جایا جاتا ہے جبکہ یہ کمرہ تو۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے قریب سے بغور دیکھنے لگا۔

"یہ کمرہ بھی آپ کے لیے ایک اجنبی لڑکی کا ہی ہے آپ کو یہاں آنے سے پہلے کم از کم اپنے اور میرے متعلق کی نوعیت سوچ لینا چاہیے گا کہ کسی موڑ پر آچکی ہے۔۔"

"ہو سکتا ہے میں سوچ کر ہی آیا ہوں۔" اس نے بے نیازی سے کہتے ہوئے اس کے چہرے سے بھیگی زلفوں کو آہستگی سے پیچھے ہٹا دیا۔اس حرکت سے گل ہاشم کی انگلیوں کی پوریں اس کے رخساروں سے ٹکرائیں تو خان زادی شہرے کرنٹ کھا کے پیچھے ہوئی۔۔

"پلیز آپ ہوش میں تو ہیں ؟" وہ اپنے ہاتھوں چھوٹے تولیے کو دوپٹے کی طرح اوڑھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ گل ہاشم نے جھٹکے سے اسے اپنے قریب کر لیا۔۔

"میرے ہوش چھین کر کہہ رہی ہو کہ میں ہوش میں تو ہوں ؟ جانتی ہو میں کیسے جی رہا ہوں تمہارا بغیر؟" وہ اس کا بھیگا چہرہ دونوں ہاتھوں میں پکڑے اور ضبط سے اپنی آواز دبا کر بولا تھا۔ شہرے نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اتنے دنوں کی بے قراریاں بے تابیاں رت جگے سب بہت واضح تحریر میں رقم تھے۔۔

"میں جان کر کیا کروں کی سردار سائیں ؟" وہ اس کی گرفت سے نکلنے لگی۔۔

تمھیں جاننا ہو گا خان زادی کیونکہ میری حالت کی ذمہ دار تم ہو۔۔ میں تمہیں پاگلوں کی طرح پکارتا ہوں۔ میں تمہیں دیوانوں کی طرح یاد کرتا ہوں، میں تمہاری چیزیں چھو کر تمہیں محسوس کرتا ہوں۔ میں رات بھر بستر پر سو نہیں پاتا صرف تمہاری وجہ سے۔۔"

"کیوں؟ کیوں نہیں سو پاتے؟ کیوں پکارتے ہیں؟ کیوں یاد کرتے ہیں؟ کیوں جی رہے ہیں میرے بغیر اس حال میں؟ بقول آپ کے میں آپ کے لیے ایک ان چاہی لڑکی ہوں دو سال ان چاہی بن کے گزار دیے لیکن پھر بھی آپ سے یہی سننے کو ملا کہ میرے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا میرے لیے آپ کے دل میں کوئی جذبہ بے دار نہیں ہو سکا مجھ سے نکاح کرتے وقت آپ کو اپنا دل مارنا پڑا تھا۔ آپ نے مجھ سے محبت کرنے کی کوشش بھی کر کے دیکھ لی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو پھر اب اب کیوں مجھے اپنا حال سنا رہے ہیں؟" وہ سختی سے کہتی اس کی گرفت سے دور ہو گئی تھی۔

"اب اس لیے سنا رہا ہوں کہ تم سے دور ہو کر مجھے پتا چلا ہے کہ کبھی کبھی وہ چیز بھی ہماری زندگی کے لیے اہم ہوتی ہے جو ہمیں بن مانگے مل جاتی ہے جسے اللہ بن مانگے ہماری جھولی میں ڈال دیتا ہے لیکن ہم اس کی قدر نہیں کرتے اور ہمیں احساس نہیں ہوتا کہ وہ چیز ضروری ہے جو اللہ تعالی نے خود بخود عنایت کر دی ہے، اگر وہی چیز ہم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مانگتے اور اللہ ہمیں وہ چیز نہیں دیتا تب احساس ہوتا وہ چیز کیا ہے اور اس حقیقت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالی کی نوازشوں سے منہ موڑ رہے ہیں اور اس کے کرم اس کی عنایت کے شکر گزار نہیں ہیں ناشکرے ہیں۔ "

وہ کافی مضبوط اور پر سکون انداز سے بات کر رہا تھا

شہرے نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"یہ بات آپ کو اب معلوم ہوتی ہے کہ ہم بن مانگے ملنے والی چیز کی قدر نہیں کرتے ؟ وہ بیڈ سے اپنا دوپٹا اٹھا کر اپنے شانوں پہ پھیلا چکی تھی۔

"ہاں اب معلوم ہوئی ہے شاید تم دس سال اور بھی میرے پاس رہتیں میری ہر چیز کا خیال رکھتیں ،ملازموں کی طرح بھاگ بھاگ کر کام کرتیں، تب بھی مجھے احساس نہ ہوتا کیونکہ جو چیز انسان کی دسترس میں ہو وہ اس کی پروا نہیں کرتا جو چیز نظر کے سامنے ہو اسے دیکھنے کے قابل نہیں سمجھتا لیکن جب وہی چیز چھن جائے تو پتا چلتا ہے وہ ہمارے لیے کیا مقام کیا اہمیت رکھتی تھی میں دو سال تمہاری قدر نہیں جان سکا کیونکہ دو سال تم ہر لمحہ ہر گھڑی میرے قریب رہی ہو لیکن ان دو ہفتوں میں میری زندگی تمہارے بغیر اس قدر ویران اور بد صورت ہو گئی تھی کہ مجھے تمہاری قدر تمہاری اہمیت کا احساس ہو گیا اور تم جانتی ہو احساس محبت کا دوسرا نام ہے ،انسان کو ہمیشہ اس سے محبت ہوتی ہے جس کا احساس ہوتا ہے بنا احساس کے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ مجھے تمہارا احساس تمہاری دوری سے ہوا۔" اس نے خان زادی شہرے کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے اپنے ہاتھ میں نرمی سے دبایا۔۔

"لیکن مجھے آپ کے احساس کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ "

وہ رخ موڑ کر اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرنے گئی۔

"کیا تمہیں میری محبت کی بھی ضرورت نہیں ؟"

گل ہاشم نے اس کا چہرہ اپنی سمت موڑا

" پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں میں بہت جلد خلع کے لیے کہہ دوں گی لالا سائیں کو۔۔۔آپ پر کوئی الزام نہیں"

" نہیں خان زادی میں اپنی زندگی اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتا میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دے سکتا، تم میری ہو، تمہیں میری ہی رہنا ہے۔"

" کیوں؟آپ کی محبت کہاں جائے گی؟ "اس نے تلخی سے کہا۔

"وہ محبت نہیں تھی شاید وہ بچپن کا ساتھ تھا انسیت تھی جسے میں محبت کا نام دے بیٹھا کیونکہ اگر وہ محبت ہوتی تو میں یوں دو سال اتنی آسانی سے اس کے بغیر کیسے گزار سکتا تھا بلکہ محبت تو یہ ہے جس کے بغیر دو ہفتے بھی مجھے دو صدیوں کا سفر لگ رہے ہیں، ان دو ہفتوں میں تمہیں دیکھنے کی کتنی بے قراری تھی کتنا بے چین تھا تم سے ملنے کے لیے تم کبھی اندازہ نہیں کر سکتیں میں نے یہ پندرہ دن کسی طرح گزارے ہیں۔"

"لیکن میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔ وہ سختی سے بولی اور گل ہاشم مسکرا دیا۔ خان زادی شہرے نے اسے الجھ کر استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

" تمہاری محبت میں پہلے روز ہی تمہاری آنکھوں میں دیکھ چکا تھا.بڑی بڑی آنکھوں کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے سب کچھ عیاں کر دیتی ہیں۔ "

اس نے شہرے کی خوب صورت آنکھوں میں جھانک کر شرارت سے کہا۔

"شٹ اپ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں۔ وہ چیخ کر کہتی اپنا ہاتھ چھڑا کر دور چلی گئی۔ گل ہاشم نے پہلی بار اس کا یوں برہم انداز دیکھا تھا وہ غصے اور آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو چکی تھی۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا جو تیزی سے ہئیر برش پھیرتی اپنے بال سنوار رہی تھی۔

"یار اب معاف بھی کر دو مجھے تو منانا بھی نہیں آتا۔" اس نے آئینے کے سامنے کھڑی شہرے کو عقب سے بانہوں میں بھر لیا تھا اور اس کے بالوں سے اٹھنے والی مسحور کن خوشبو کو اپنی سانسوں میں جذب کرنے لگا۔

"گھر چلو تمہاری ساری ناراضگی ساری شکایتیں دور کر دوں گا اور آئندہ خطاؤں سے توبہ کر لوں گا۔" وہ سرگوشی میں کہتا خان زادی شہرے کو اپنے حلقے میں جکڑے اسے پاگل کرنے کے درپے تھا۔

"اے چپ کیوں ہو؟" اس نے دوبارہ سرگوشی کی لیکن کوئی جواب نہ ملا تو اس نے آہستگی سے بازو ہٹا کر شہرے کو اپنی سمت موڑ لیا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"پلیز خان زادی اسی طرح رو کر مجھے اور زیادہ ندامت کا احساس مت دلاؤ میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کا ہوں، تم سے معافی بھی مانگ رہا ہوں اگر تمہارا دل میری طرف سے صاف نہیں ہو رہا تم مجھے معاف نہیں کرنا چاہیں تو مت کرو میں تم پہ کوئی زور زبردستی نہیں کر سکتا۔" وہ بات کرتے ہوئے بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا۔ چہرے کے تاثرات سنجیدگی لیے ہوئے تھے۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا، میری زندگی تم سے وابستہ ہے لیکن اگر تم ایسا نہیں چاہتی ہو تو مجھے بتا دینا میں طلاق کے کاغذات تیار کر لوں گا۔" وہ کہہ کر پلیٹ گیا مگر شہرے نے بے اختیار تڑپ کر اس کے

کُرتے کو پکڑ لیا تھا۔ ابھی وہ اس کی سمت پلٹا ہی تھا کہ وہ دھواں دھار ہچکیوں سے روتی بلکتی اس کے سینے سے لگ گئی۔ گل ہاشم کی روح تک شانت ہو گئی تھی۔ اسے پتا تھا وہ دو سالوں کا رکا ہوا سیلاب بھاری ہے اتنے عرصے سے جمع شدہ غبار نکال رہی ہے اور اس غبار کے بعد ہی سب کچھ واضح ہو سکتا ہے۔ بہت دیر بعد وہ اس کے بازوؤں کا حصار محسوس کر کے چپ ہو گئی اور پیچھے ہٹنا چاہا۔ اس نے آہستگی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھنسائے، وہ سمٹ گئی۔

"گھر چلیں ؟ اس نے خان زادی شہرے کا چہرہ اونچا کر کے کہا اس نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"میں نیچے انتظار کر رہا ہوں تیار ہو کر آ جاؤ۔ "

وہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ خان زادی شہرے نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا جو گلاب کی مانند کھل رہا تھا جیسے یہ محبت اور چاہت کی پہلی پہلی بہار کا عکس تھا اور اسے اعتراف کرنا پڑا کہ جو کام کوئی بھی جذبہ نہیں کر سکتا وہ کام احساس کا جذبہ کر سکتا ہے، احساس ہر جذبے پر بھاری ہے۔۔ کسی سے نفرت کرتے کرتے اگر ہمیں اپنی نفرت کا احساس ہو جائے تو وہ احساس نفرت کے جذب کو بھی مار دیتا ہے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد۔۔۔۔۔